جو معافی مانگنا بھی جانتا ہو اور دینا بھی، خدا اس سے مغفرت کا سلوک فرماتا ہے۔ بخشش کے مضمون کی وضاحت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۴؍جون ۱۹۹۳ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۴﴾ وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ﴿۵۵﴾ (سورۃ الزمر: ۵۴، ۵۵)

پھر فرمایا:۔

ان آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ اے مخاطب یعنی حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ تو کہہ دے اے وہ میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کئے ہیں اور زیادتیاں کی ہیں۔ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ یقیناً وہ بہت ہی مغفرت فرمانے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر گناہ کو لازماً بخشتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب وہ چاہے تمام گناہ بخش سکتا ہے اور جس کے حق میں چاہے یہ فیصلہ فرمائے۔ وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّکُمۡ اور اپنے رب کی طرف جھکو اور اپنے رب کی طرف لوٹو۔ وَ اَسۡلِمُوۡا لَہٗ

اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو، اپنے آپ کو کلیۃً اللہ کے سپرد کر دو۔ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ اس سے پہلے کہ وہ عذاب تمہارے پاس آجائے جو گناہوں کی شامت اعمال کے طور پر آیا کرتا ہے۔ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ پھر تمہیں کسی قسم کی کوئی مدد نہ دی جائے یا پھر تمہیں کسی قسم کی کوئی مدد نہ دی جائے گی۔

کل ہی میں ہالینڈ اور جرمنی کے دورہ سے واپس آیا ہوں۔ اس سفر کی غرض خصوصیت کے ساتھ جرمنی کے خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں شرکت تھی اور اس کے ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ نے اور بھی دلچسپ پروگرام بنا رکھے تھے۔ جن میں سے خصوصیت سے Bosnians کو اکٹھا کر کے ان کے ساتھ جماعت کا تعارف اور ان کے مسائل کے حل سے متعلق ان کی مدد کرنا شامل تھا۔ اس پروگرام پر خدام نے اتنی محنت کی کہ خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ جو توقع تھی اس سے تقریباً دُگنی تعداد میں بوسنین وہاں اکٹھے ہوئے یعنی دو ہزار کا اندازہ مجھے بتایا گیا تھا لیکن تقریباً ۴ ہزار بوسنین کو فرینکفرٹ کے اردگرد کے ڈیڑھ سو کلومیٹر کے علاقے سے لے کر آئے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ انفرادی طور پر بھی ملنے کا موقع ملا اجتماعی طور پر بھی ان کے ساتھ گفتگو ہوئی، سوال و جواب کی مجلس ہوئی، ان کے مسائل کو زیادہ بہتر سمجھنے کی توفیق ملی اور ان کو مطلع کیا کہ ہم تمام دنیا میں آپ کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ تو یہ ایک بہت ہی دلچسپ پروگرام تھا۔ اس کے علاوہ دو بلکہ تین مجالس سوال و جواب تھیں۔ دو تو اردو میں تھیں اور وہ زیادہ تر خدام سے تعلق رکھتی تھیں۔ یعنی خدام یا ان کے دوستوں کو موقع تھا کہ وہ جو چاہیں سوال کریں اور ایک بڑی وسیع مجلس تھی جس میں غیر مسلم اور غیر احمدی مسلمان بلائے گئے تھے۔ یہ مجلس بھی اپنی نوعیت کی مجلس تھی اور جرمنی میں ہونے والی مجالس میں سب سے بڑی تھی اور پہلے تین، چار سو تک مہمان آیا کرتے تھے۔ لیکن اس میں خدا کے فضل سے ہزار سے زیادہ مہمان شامل ہوئے اور اس کے معاً بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے 73 مدعوئین کو بیعت کی توفیق ملی اور اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ دوسرے دن پھر عربوں کے ساتھ ایک مختصر مجلس منعقد کی گئی اس میں جرمن اور دوسرے ترکی دوست بھی تھے لیکن زیادہ تر عرب مخاطب رہے کیونکہ وہی سوال کرتے رہے اور اس کے نتیجہ میں پھر 7 عربوں نے اور غالباً ایک دو بیچ میں ترک بھی شامل تھے جنہوں نے اسی رات بیعت کی اور پھر بعد میں اور بیعتیں وصول ہونی شروع ہوئیں یہاں تک کہ اس اجتماع کے

آخری دن جو اطلاع مجھے ملی وہ یہ تھی کہ بیعتیں خدا کے فضل سے 99 تک پہنچ چکی ہیں اور بعد میں پھر یہ اطلاع بھی ملی کہ اس سے بھی بڑھ گئی ہیں۔تو اللہ کا بہت فضل رہا اس پہلو سے یہ اجتماع بہت ہی کامیاب تھا۔

صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ اور ان کے ساتھیوں نے بے حد محنت کی ہے اور لمبے عرصہ تک مسلسل انتھک محنت کے بعد خدا تعالیٰ نے اس اجتماع کو وہ رنگ لگائے کیونکہ محنت انسان کرتا ہے لیکن رنگ خدا ہی لگاتا ہے کہ ایک بہار کا سا منظر تھا، بہت ہی کامیاب اجتماع ہوا ہے۔اس کے ساتھ کبڈی کا ایک میچ بھی رکھا گیا تھا۔ایک نہیں کئی میچ تھے لیکن ایک میچ کو سیٹلائٹ کے ذریعہ عالمی طور پر دکھانے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔اس سلسلہ میں بھی ایک دو باتیں میں بعد میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔

ہر اجتماع کے وقت یا ہر جلسے کے وقت ایک مستقل ذمہ داری یہ ہے کہ احباب جماعت سے ملاقاتیں کی جائیں، خاندانوں سے بھی ملاقاتیں ہوں اور بعض انفرادی ملاقاتیں بھی ہوں۔ جہاں تک میرا تجربہ ہے یہ کام سب کاموں میں سب سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ جن لوگوں کی ملاقاتوں کی خواہش ہے اور ان کو مجبوراً وقت نہیں دیا جاسکتا (یہ ایک بہت ہی تکلیف دہ فیصلہ ہوتا ہے) تو پھر بسا اوقات ان کی طرف سے شکووں کے خطوط بھی ملتے ہیں جو بجا ہوتے ہیں کہ اتنی دیر سے ہم ملاقات نہیں کر سکے تھے اور اب یہ تمنا لے کر آئے تھے۔ بعد میں پھر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے یہ باتیں کرتے تھے، اس طرح خوش تھے اور آپ نے تو ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔پس ملاقات کی ایک مشکل تو یہ ہے کہ ناممکن ہے کہ سب کی خواہش کو پورا کیا جا سکے۔خصوصاً جہاں جرمنی جیسی جماعت ہو، خدا کے فضل سے یوں لگتا تھا جیسے ربوہ کا چھوٹا اجتماع ہو رہا ہو اور پھر سب میں غیر معمولی جوش، سب میں بہت تمنا کہ ذاتی ملاقات ہو سکے، ساتھ تصویریں کھچوائی جائیں۔ایسے مواقع پر بہت کم لوگوں کی خواہش پوری کی جاتی ہے اور بہت زیادہ تعداد میں امیدوں پر پانی پھیرنا پڑتا ہے لیکن بے اختیاری ہے مگر اس بے اختیاری کے باوجود تکلیف رہتی ہے کیونکہ ایک انسان جس کی خواہش پوری نہ ہو سکے وہ اس وجہ سے تو خوش نہیں ہو جاتا کہ بے اختیاری تھی۔ بے اختیاری اپنی جگہ اور تکلیف اپنی جگہ، یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

اس میں مشکل کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اکثر ملاقاتوں کے دوران بعض لوگوں کے تکلیف دہ

حالات کا علم ہوتا ہے، بعض صدمات کا علم ہوتا ہے، بعض خاندانوں میں چپقلشیں ہیں۔ بعض بچیاں اپنے سسرال کے ظلم وستم کا ذکر کرتی ہیں بعض بڑے اپنے دامادوں یا بہوؤں کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہیں اور اگر چہ یہ ممکن ہی نہیں کہ یکطرفہ باتوں کو قبول کر کے دوسرے فریق سے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کی جائے لیکن یہ بھی ناممکن ہے کہ طبیعت کو ملال نہ پہنچے۔ یہ ایک طبعی بات ہے اور بہت گہرا طبیعت پر اثر پڑتا ہے، پھر بعض لوگ جذباتی ہو جاتے ہیں اور ان کے جذبات کے مقابل پر انسان کی ایک قسم کی بے بسی ہوتی ہے، پھر بعض بچے اپنے پیار اور محبت کا خاص طریق پر اظہار کرتے ہیں۔ غرضیکہ جتنے بھی جماعتی پروگرام ہیں ان میں لمبی سے لمبی تقریر کے مقابل پر تھوڑی ملاقاتوں کا بھی زیادہ نفسیاتی دباؤ ہوتا ہے لیکن یہ نظام جماعت کا ایک ایسا حصہ بن گیا ہے جس کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے جذباتی دباؤ یا نفسیاتی تکلیف ایک طرف لیکن فوائد بہت زیادہ ہیں اور ایسی ملاقاتوں کے درمیان بہت سی دلچسپ باتیں بھی پتا چلتی ہیں۔ بعض لطائف بھی علم میں آتے ہیں بچوں کی معصوم بھولی بھالی باتیں بتائی جاتی ہیں اور بعض لوگ ایک ایسی خاص خواہش کے پیش نظر ملاقات کرتے ہیں جس کی طرف خواب وخیال میں بھی ذہن نہیں جا سکتا اور جب بتاتے ہیں تو ہنسی بھی آتی ہے اور حیرت بھی اور پھر بعض دفعہ اسی میں سے عرفان کا ایک نکتہ بھی ہاتھ آجاتا ہے۔ مثلاً اسی دفعہ جرمنی کی ملاقات میں ایک صاحب نے جو بہت مدت سے ملاقات نہیں کر سکے تھے۔ غالباً ربوہ سے آنے کے بعد ان سے ملاقات نہیں ہوئی، مجھے کہا کہ ایک بات کرنے کی خواہش تھی لیکن دس بارہ سال ہو گئے ہیں، وہ خواہش دل میں لے کر بیٹھا ہوا ہوں اور ملاقات ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اب خدا نے موقع دیا ہے تو میں اب اپنے دل کا بوجھ اتارتا ہوں۔ میں نے کہا وہ کیا بات ہے۔ کوئی بہت ہی بڑی اہم بات ہوگی تو انہوں نے کہا آپ کو یاد ہے جب آپ شام کے وقت سائیکل پر آیا کرتے تھے اور اپنے باغ میں جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جب آپ آئے تو میں آپ کے باغ میں سے گنڈوئے نکال رہا تھا تو آپ نے کہا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ میں تو گنڈوئے نکالنے آیا ہوں لیکن جب آپ چلے گئے تو میں نے کہا جب گنڈوئے نکالے ہیں تو ساتھ ہی آپ کے تالاب کی مچھلیاں بھی نکال لوں اور پھر دو مچھلیاں بھی نکال کر لے گیا۔ اس کے بعد پھر آپ خلیفہ بن گئے تو پھر میں اتنا شرمندہ ہوا۔ گویا کہ خلیفہ نہ ہوتا تو چوری جائز تھی۔ اس وقت تک تکلیف نہیں ہوئی

لیکن جب بن گئے تو پھر میں بہت بے چین ہوا۔ میں نے کہا یہ میں کیا حرکت کر بیٹھا؟ اب ملاقات ہو گی تو معافی مانگوں گا۔

میں نے ان سے کہا کہ یہ تو کوئی ایسی بات ہی نہیں۔ ہماری مچھلیاں تو اکثر لوگ ہی کھاتے تھے۔ مجھے تو کبھی کبھی ملتی تھی تو کوئی ایسی بات نہیں لیکن آپ کی بات مجھے بڑی اچھی لگی ہے کہ آپ نے یہ بوجھ دل میں رکھا اور جب تک معافی نہ مانگی آپ کو سکون نہیں ملا۔

ضمناً میں یہ بھی بتادوں کہ اس وقت ربوہ اور احمد نگر کے لوگ بھی غالباً خطبہ سن رہے ہوں گے کہیں وہ باغ میں گنڈوئے نکالنے نہ چلے جائیں کیونکہ میاں مسرور صاحب نے بڑی محنت سے دوبارہ مچھلیاں ٹھیک کی ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ لوگ ان کو بڑا ہونے دیں گے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات ہے لیکن اس دوران مجھے خیال آیا کہ بعض دفعہ ایک انسان کا بالکل چھوٹا سا معمولی سا گناہ کرتا ہے اور جہاں تعلق بڑھ جاتا ہے وہاں گناہ کا وہ بوجھ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اب یہی وہ نوجوان تھے کہ جب تک میں خلیفہ نہیں ہوا وہ دو مچھلیاں بوجھ نہیں بنیں لیکن خلیفہ بننے کے بعد وہ بوجھ بن گئیں اور بوجھ بڑھتا چلا گیا۔ تو انسان کیسا نادان ہے کہ انسانی تعلقات میں تو معمولی معمولی غفلتوں پر بھی جب تک معافی نہ مانگ لے، دل پر بوجھ رہتا ہے مگر خدا کے مقابل پر اتنی غلطیاں کرتا ہے اور بارہا کرتا چلا جاتا ہے کہ اس کا اس کے دل پر کوئی بوجھ نہیں رہتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ غلطیاں کیں تو چلو چھٹی ہوئی۔ پھر سہی خدا بخش دے گا۔ یہ بخش دے گا کا جو فقرہ ہے یہ ایک گستاخی بھی ہے۔ یہ محض حسنِ ظن نہیں ہے اور قرآن کریم نے ان معنوں میں ان گناہ گاروں کا ذکر کیا ہے جو خدا تعالیٰ کے متعلق تخفیف کی وجہ سے یہ فقرہ کہتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ یہود کے متعلق یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ ایسے بدنصیب لوگ تھے کہ گناہ کرتے تھے اور کہتے تھے سَيُغْفَرُ لَنَا (الاعراف: ۱۷۰) ہمیں بخش دیا جائے گا تو خدا سے بخشش کی امید رکھنا ایک عجز کو چاہتا ہے، ایک انکساری کو چاہتا ہے جیسا کہ میں نے آیت کریمہ آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہے۔ خدا تعالیٰ ہر گناہ بخش سکتا ہے جب چاہے اور جس کے لئے چاہے لیکن ان کو نہیں بخشتا جن کے ہاں ایک تکبر یا بے نیازی پائی جاتی ہو۔ جب لوگ خدا تعالیٰ کے مقابل پر تکبر اختیار کریں یا بے نیازی سے گناہ کریں اور ان کے دل پر بوجھ نہ پڑے تو پھر ان کا یہ کہنا کہ بخش دیئے جائیں گے یہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا بلکہ ایسے فقرے سے متعلق خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں

کھلم کھلا ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اس لئے یہ درست ہے کہ انسانوں سے معافی مانگنے میں ہمیں ضرور جلدی کرنی چاہئے اور پہل کرنی چاہئے لیکن خدا تعالیٰ سے معافی کی طرف بھی نظر رہنی چاہئے اور زیادہ نظر رہنی چاہئے۔

سب سے بڑا محسن وہ ہے لیکن پھر ہم کیوں اس سے غافل ہوتے ہیں؟ یہ نکتہ بھی مجھے اس ملاقات سے سمجھ میں آیا۔ جب تک میں خلیفہ نہیں بنا اس وقت تک یہ گناہ دل پر بوجھ نہیں تھا کیونکہ میرا کوئی احترام دل میں نہیں تھا لیکن جب خلیفہ بنا اور تعلق احترام میں تبدیل ہو گیا تو وہ چھوٹی سی غلطی بہت بڑا بوجھ بن گئی۔ تو اللہ تعالیٰ کا اگر احترام ہو، اس کی قدر دل میں ہو تو گناہ بھی بہت بوجھ بن جایا کرتے ہیں۔

معرفت کا یہ نکتہ حقیقت میں ہمیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت سے پتا چلتا ہے کیونکہ یہ سوچتے ہوئے اچانک میرا ذہن حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منتقل ہوا کہ آپ کیوں استغفار کیا کرتے تھے؟ ایک معنی تو وہ ہے جو معروف ہے ہر نبی عجز اور انکساری میں استغفار کرتا ہے اور بشری کمزوریوں کے نتیجہ میں بھی استغفار کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس واقعہ سے مجھے ایک اور بات سمجھ آئی کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا احترام اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں جو عام انسان کے ذہن میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں اور ان کو گناہ قرار دیا ہی نہیں جا سکتا لیکن جب نبی کے نقطۂ نظر سے انہیں دیکھا جائے تو خدا کی محبت اور اس کے احترام کے نتیجہ میں وہ معمولی سی لغزش جو ہمارے اعمال کے اوپر اگر اس کو پرکھ کر دیکھا جائے تو لغزش ہے ہی نہیں بلکہ بعض دفعہ وہ صفت حسنہ بن جاتی ہے مگر انبیاءؑ کو خدا سے ایسی محبت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا اتنا گہرا احترام ان کے دل میں ہوتا ہے کہ اس کے سامنے وہ چھوٹی سی لغزش بہت بڑی دکھائی دیتی ہے اور ان کا معاملہ اس محاورے کے بالکل برعکس ہو جاتا ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر بھی دکھائی نہیں دیتا اور دوسری آنکھ کا تنکا بھی شہتیر دکھائی دیتا ہے۔ ان کو اپنی آنکھ کے معمولی سے تنکے کا ایک چھوٹا سا ذرہ بھی شہتیر دکھائی دیتا ہے اور دوسروں سے مغفرت کا سلوک کرتے ہیں دوسروں کے عیوب کو نہ نمایاں کر کے دیکھتے ہیں۔ نہ بیان کرتے ہیں اور جب سرزنش کرنی ہو یا کسی کو سمجھانا ہو تو ضرور سرزنش بھی کرتے ہیں اور سمجھاتے بھی ہیں لیکن حتی المقدور یہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو کسی کو اس سے تکلیف نہ پہنچے۔

وہ ذکر جو قرآن کریم میں عَبَسَ وَ تَوَلّٰٓی (عبس:۲) میں ملتا ہے اس کا اسی مضمون سے تعلق ہے۔حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں پہلے ایک قوم کا بڑا سردار آیا اور آپؐ اس سے مصروف گفتگو تھے اور اسے اس لئے اہمیت دے رہے تھے کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو بعید نہیں تھا کہ اس کے ساتھ اس کی قوم بھی مسلمان ہو جاتی۔پس کسی ذاتی عظمت کے طور پر اس کو اہمیت نہیں دے رہے تھے بلکہ ایک دینی فائدے کے پیشِ نظر اس کو جو مقام حاصل تھا اس کو ایک خاص مرتبہ دے کر اس کے ساتھ غیر معمولی شفقت کا سلوک فرماتے ہوئے توجہ دے رہے تھے کہ اتنے میں مخلص فدائی صحابیؓ جو آنکھوں سے اندھے تھے وہ حاضر ہوئے۔ان کو پتا نہیں تھا کہ کون بیٹھا ہے اور کس سے گفتگو ہو رہی ہے اور جس طرح اندھوں کو جب نظر نہیں آتا تو پتا نہیں ہوتا کہ کون بیٹھا ہے اور کیا کہنا ہے، لحاظ نہیں کر سکتے اسی طرح انہوں نے فوراً اپنی مرضی کی گفتگو شروع کر دی اور وہ دراصل اس گفت وشنید میں دخل اندازی تھی۔آنحضور ﷺ نے منہ سے کچھ نہیں فرمایا۔لفظی سختی کے ساتھ کوئی تنبیہ نہیں فرمائی لیکن اگر ناراضگی کا کوئی اظہار نہ کرتے تو وہ معزز انسان سمجھتا کہ میری بے عزتی ہوئی ہے اور انہوں نے اس کو قبول کر لیا ہے اس لئے ماتھے پر بل ڈالے۔آنحضرت ﷺ کا مقام و مرتبہ اللہ کے نزدیک اتنا بلند تھا کہ اللہ تعالیٰ کو وہ بل بھی پسند نہ آئے حالانکہ اگر دنیا کے عام معاملات میں دیکھیں اور کسی اور سے یہ واقعہ ہوا ہوتا تو اس کی عظمت کردار کے نشان کے طور پر بیان کیا جاتا کہ دیکھو اس نے آنے والے کی بھی عزت رکھ لی اور غلطی کرنے والے کی غلطی سے اپنی ناپسندگی کا اظہار ایسے کیا کہ غلطی کرنے والے کی دل شکنی نہ ہوئی اور آنے والے کی عزت افزائی ہوگئی۔حسنِ خلق اور عظمت کردار کا ایک عظیم امتزاج ہے لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا انبیاء خدا کے حضور عجز کا ایک ایسا مقام رکھتے ہیں اور ایسی محبت کا تعلق رکھتے ہیں کہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی غلطی کو بھی بہت بڑا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔جب خدا کی نظر سے دیکھا جائے تو اس وقت اس کی حکمت اور نمایاں ہو کر سمجھ میں آجاتی ہے۔اللہ تعالیٰ بھی ان سے بہت بلند توقع رکھتا ہے اور اس واقعہ نے بتایا کہ وہ چھوٹی سی لغزش جسے دنیا کی اصطلاح میں ایک عظیم حسنِ خلق کا مظاہرہ کہنا چاہئے اس پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو پیار اور محبت سے سمجھایا کہ ایک اندھا آگیا تھا اس لئے تو نے ماتھے پر بل ڈالے لیکن تجھے کیا پتہ کہ وہ تیری باتوں کو زیادہ توجہ سے سنتا اور فائدہ اٹھاتا اور تجھے کیا پتا کہ وہ شخص جس کے لئے تو اتنی جدوجہد کر رہا تھا

کہ اسے ہدایت نصیب ہو وہ مستغنی ہو جائے اور پیٹھ پھیر کر چلا جائے تو یہ وہ مضمون تھا جو اسی تسلسل میں میرے ذہن میں ابھرا اور میں نے سوچا کہ جماعت کو اس مضمون کی باریکیوں سے بھی آگاہ کروں اور اس ضمن میں عائد ہونے والے فرائض سے بھی مطلع کروں۔

معاف کرنا بھی اچھی چیز ہے لیکن معافی مانگنا بہت ہی اچھی چیز ہے اور وقت پر اپنے ایسے بھائی سے معافی مانگ لینا جس کی دل آزاری ہوئی ہو خواہ وہ ارادۃً ہوئی یا غیر ارادی طور پر ہوئی ہو یہ ایک ایسا خلق ہے جس کے نتیجہ میں اللہ کی بخشش کی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے۔اس لئے انسان اگر صرف درگزر کا ہی سلوک نہ کرے بلکہ دوسرے بھائی سے اس کی دل آزاری کی معافی مانگنے میں جلدی کرتا ہو تو میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ مغفرت کا سلوک فرمائے گا اور تو اللہ تعالیٰ کی لامتناہی مغفرت سے حصہ لینے کا ایک یہ بھی طریق ہے۔دنیا میں میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ لمبا عرصہ محبت اور حسن و احسان کا تعلق رکھتے ہیں لیکن اگر کسی دوست سے ادنیٰ سی لغزش ہو جائے یا کسی وقت ناراضگی کا کوئی کلمہ منہ سے نکل جائے تو تعلق توڑ بیٹھتے ہیں اور ناراض ہو جاتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے بعض جانوروں میں حُسنِ خلق کی جو مثالیں رکھی ہیں اگر وہ کتے کی طرف دیکھتے تو اس سے بھی وہ فائدہ اٹھا سکتے تھے کیونکہ کتے کے متعلق ایک فارسی شاعر کہتا ہے کہ یہ عجیب جانور ہے کہ اس کو ایک دفعہ روٹی دے دو اور سو بار سوٹی اٹھاؤ تو یہ آگے سے اف نہیں کرتا اور اسی طرح دم ہلاتا رہتا ہے لیکن انسان ایک عجیب جانور ہے کہ اس سے سو بار احسان کا سلوک کرو اور ایک بار استثناء کرو تو وہ ناراض ہو جاتا ہے اور بڑھ بڑھ کر باتیں کرتا ہے اور بعض اوقات حملہ کر بیٹھتا ہے تو انسان اور جانور میں یہ فرق ہے جو ہم پر یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق میں بعض ایسے اعلیٰ اخلاق رکھ دیئے ہیں کہ جو انسان کو متکبر نہیں ہونے دیتے۔اگر وہ غور اور فکر کا عادی ہو تو اس کے لئے آفاق میں ایسے نشانات ہیں جو اسے عاجز ہونے پر مجبور کر دیں گے۔اس کا سر ہمیشہ زمین پر جھکائے رکھیں گے کیونکہ کہیں اس کو کتا اپنے سے اعلیٰ اخلاق کا دکھائی دے رہا ہو گا، کہیں کوّے اعلیٰ اخلاق کے دکھائی دیں گے۔اسے بعض دفعہ ہزار روٹیاں مل جاتی ہیں تو وہ کسی غریب کو نہیں پوچھتا اور کوّے کو روٹی کا ایک ٹکڑا مل جائے تو سارے بھائیوں کو آوازیں دے دے کر بلاتا ہے اور جب تک سب کو شریک ہونے کا موقع نہ دے اس وقت تک چھینا جھپٹی نہیں ہوتی۔جب سب پہنچ جاتے ہیں تو پھر ہر ایک

کوشش کرتا ہے کہ میں لے جاؤں لیکن یہ بھی تو محبت کا ہی ایک اظہار ہے ورنہ جنت میں کیوں لوگ چھین چھین کر کھاتے جہاں ہر چیز کی بہتات ہوگی۔

پس یہ جو کائنات ہے اس پر اگر آپ غور کریں تو ہر جانور میں خدا نے ایک ایسی خوبی رکھ دی ہے کہ اکثر انسان ان خوبیوں میں ان جانوروں سے سبق لے سکتے ہیں اور اگر ان کی ان خوبیوں پر نظر رکھیں تو یوں لگتا ہے جیسے اشرف المخلوقات کی خوبیاں سارے عالم میں پھیلی پڑی ہیں اور ہر چیز اس کے لئے آئینہ بن گئی ہے۔ اسے کتے میں بھی ایک تصویر دکھائی دیتی ہے جو اپنے سے اچھی ہے، اسے کوے میں بھی ایک تصویر دکھائی دیتی ہے جو اپنے سے اچھی ہے، اسے شیروں میں بھی اور گائے بھینس میں بھی اور دوسرے جانوروں میں بھی اور کیڑوں میں بھی اور مکھیوں میں بھی بعض ایسی صفات دکھائی دیتی ہیں جو اس کی اپنی ذات کی ملتی جلتی صفات سے بہتر ہیں۔ گویا اس کو ہر طرف ایک آئینہ دکھایا جا رہا ہے کہ تمہیں تو ہم نے یہ بنانا تھا اور تم سے ادنیٰ مخلوقات میں تو یہ خوبیاں اسی طرح محفوظ چلی آرہی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا ہے اور ان مخلوقات کا اختیار نہیں ہے کہ اس حفاظت سے باہر نکل جائیں مگر تمہاری خاطر یہ پیدا کی گئی تھیں کیونکہ تمہیں ادنیٰ سے اعلیٰ حالت میں جب ترقی دی گئی تو ان تمام صفات حسنہ کے اجزا تمہارے اندر شامل ہیں۔ تمہاری خمیر میں داخل ہیں ورنہ ارتقاء کے کوئی معنے نہیں ہیں۔ ارتقاء کا مطلب یہ ہے کہ لمبے دور میں مختلف نوعیت کی خوبیوں سے انسان کا خمیر اٹھایا گیا ہے اور جو خوبی کسی جانور کے دور میں زندگی میں شامل کی گئی وہ خوبی بچ گئی اور آئندہ بہتر قسم کی مخلوقات کی طرف منتقل ہوتی رہی۔ ان خوبیوں کے اجتماع کا نام انسان ہے لیکن انسان بننے کے بعد جب اسے اختیار دیا گیا تو ان خوبیوں سے روگردانی کی اور پیٹھ پھیر کر ایک طرف ہو گیا اور ان سب نعمتوں کو بھلا بیٹھا۔ جب اس مضمون پر آپ غور کریں تو ہر طرف حسن کا ایک کرشمہ دکھائی دے گا جو آپ کو آئینہ دکھا رہا ہے اور دوسری طرف وہی آئینہ آپ کو عجز کی تعلیم بھی دے گا کہ تم کیسے عاجز انسان ہو؟ اس بات میں ایک کتے سے بھی کمتر ہو، ایک گدھ سے بھی کمتر ہو، ایک کوے سے بھی کمتر ہو، ایک بھیڑئے اور شیر سے بھی کمتر ہو۔ یعنی ہر طرف سے ایک یہ آواز بھی تو اٹھے گی کہ تم اس سے بھی کمتر ہو اس سے بھی کمتر ہو اور اس سے بھی کمتر ہو اور یہ جو آواز ہے یہ اتنی حقیقی ہے اتنا گہرا پیغام رکھتی ہے کہ اس کے نتیجہ میں انسان مجبور ہے کہ وہ اپنے ہر قسم کے تکبر سے باز آجائے اور اپنے آپ کو ایک

حقیر کیڑا سمجھے یہی مضمون ہے جس کو انبیاءؑ جب پا جاتے ہیں تو اپنے رب کے حضور اس قسم کی دردناک صدائیں بلند کرتے ہیں کہ

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار (درثمین صفحہ:۱۲۵)

اور جو متکبر اور مغرور ملاں ہے وہ ہنستا ہے اور قہقہے لگاتا ہے کہ یہ نبی اللہ ہے جو انسانوں کی عار ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ یہ انسانوں کی عار ہونا ایک صاحب عرفان کا کمال ہے اور غیر معمولی درجہ ءکمال پر پہنچے بغیر یہ عرفان حاصل نہیں ہوسکتا اور اسی میں ساری عزتیں ہیں ۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کو اس طرح بھی بیان فرماتے ہیں کہ

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں (درثمین صفحہ:۱۱۳)

تو جو خدا کا عاشق ہے جو وصل کا خواہاں ہے اس کو اگر بدتر بننے سے خدا ملتا ہے تو اسے بدتر بننے میں کیا نقصان ہے۔ پھر تو ساری خیر بدتر بننے سے ہی وابستہ ہوگئی جس رستے سے اپنا محبوب مل جائے وہ رستہ اینٹوں کا بنا ہو، پتھروں کا ہو یا کانٹے سجائے گئے ہوں ، ہر محبت کرنے والا تو رستے کی نوعیت سے بے خبر اس پر دوڑتا ہے۔ زخمی ہو، چھلنی ہو، مصیبتوں میں مبتلا ہو، گڑھوں میں جا پڑے تب بھی اس نے ان راستوں پر چلنا ہی چلنا ہے۔

ہمیں تو راہ رووں کی ٹھوکریں کھانا مگر جانا

مگر جو بے خبر ہے اور جاہل ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا۔ پس ساری کائنات میں ہمارے لئے حسن کے بھی پیغامات ہیں اور عجز کے بھی پیغامات ہیں اور جہاں تک مغفرت کا تعلق ہے اس مضمون سے یہ بات چھڑتے چھڑتے یہاں تک پہنچی ہے۔ ایک معاملہ میں مجھے بھی خدام سے معافی مانگنا ہے اور چونکہ یہ ذکر چل پڑا ہے اس لئے بہترین موقع ہے کہ اسی موقع پر میں اپنے دل سے یہ بوجھ اُتاروں۔

جب کبڈی کا میچ ہورہا تھا تو مجھے یہ بتایا نہیں گیا کہ میں جو بات کررہا ہوں وہ ساری دنیا سن رہی ہے۔ میں یہی سمجھ رہا تھا کہ جسوال صاحب اپنا کیمرہ بہت دور لگائے ہوئے ہیں اور اگر میں زور

سے بھی بولوں تو اتنی دور آواز نہیں جائے گی۔انسان نزدیک بیٹھے ہوئے دوستوں سے بعض ایسے تبصرے کر لیتا ہے جن کے متعلق پتا ہوتا ہے کہ جس شخص کے متعلق کوئی سخت بات ہوئی ہے اس کی دل آزاری ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اسے وہ بات نہیں پہنچی اور اس وقت دل میں جو ایک جذبہ اٹھتا ہے اس کا اظہار ہو کر ایک بوجھ بھی کم ہو جاتا ہے تو چند ایسی باتیں جو بے تکلف ماحول میں میں آفتاب خان صاحب سے کر رہا تھا (جو میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے) اور ان کو بتا رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا یہ کیا ہو گیا؟ اور بعض باتوں سے طبیعت واقعی بڑی منقبض ہوئی تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر ہرگز یہ مراد نہیں تھی کہ شخص مذکور کی دل آزاری ہو لیکن بعد میں جب مجھے پتا چلا کہ وہ تو ساری دنیا سن رہی تھی تو میں نے کہا کہ اس بیچارے کا تو جیسے پنجابی میں کہتے ہیں حشر ہو گیا ہو گا۔اس کے رشتہ دار شرمندہ ہو رہے ہوں گے اور ساری دنیا میں لوگ اس کو کیا کہیں گے۔اتنی مجھے تکلیف ہوئی کہ ساری رات میں سو نہیں سکا۔استغفار کرتا رہا اور دل چاہا کہ ابھی ان سے معافی مانگوں تا کہ میرے دل کو تسلی ہو لیکن مجھے خیال آیا کہ ان بیچاروں کی شرمندگی تو عالمگیر ہے۔معافی میں الگ لکھ کر مانگ لوں تو فائدہ کیا؟ اس لئے عالمی خطاب میں ہی معافی بھی ہونی چاہئے۔ان میں سے مثلاً ایک ریفری صاحب کے متعلق میں نے کہا تھا کہ میں ان کو جانتا ہوں ان کو ریفری بنانا ہی نہیں چاہئے تھا۔ بعد میں جب مجھ سے پوچھا گیا کہ ان کو ہٹائیں تو میں نے کہا: نہیں بالکل نہیں ہٹانا۔ بددیانت نہیں ہیں ۔ عام فیصلے بالکل ٹھیک کرتے چلے جاتے ہیں مگر جب کوئی مشکل وقت آتا ہے تو ان کا دل چونکہ نرم ہے سخت فیصلہ کر ہی نہیں سکتے ۔ میں ان کو بڑی دیر سے جانتا ہوں۔ پہلے بارہا مجھے ان کے بعض فیصلوں کے وقت طبیعت میں ایک کوفت ہوا کرتی تھی کہ یہ واضح فیصلہ کرنا چاہئے تھا لیکن اس کی بجائے بیچ میں دب گئے ۔دوطرفہ فیصلہ کرنے کی کوشش کی ایک ٹیم کے خلاف کھلم کھلا فیصلہ کرنے کی بجائے بیچ میں رکھ کر دونوں کے دل خوش کرنے کی کوشش کر لی ۔ یہ مقصد تھا یہ اصل وجہ تھی اور میں ان کو علیحدگی میں سمجھا دیتا لیکن آفتاب خان صاحب کے پاس بات کر کے میرے دل میں جو ہلکا سا غبار تھا وہ نکل گیا لیکن یہ کیا پتا تھا کہ ان کے سارے رشتہ دار، سارے دوست واقف جاپان تک سن رہے ہوں گے اور وہ کہیں گے کہ لو جی! اچھا ریفری نکلا ہے یہ تو خدمت کی بجائے اپنا اور نقصان کرا بیٹھا۔

اسی طرح ایک نوجوان بابر نام کا تھا اس کے دادا کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور اس

کے والد کو بھی ، اس کے خاندان سے بے تکلفی کے تعلقات ، جس طرح وہ گھر کا بچہ ہو تو بعض دفعہ انسان کہہ دیتا ہے پاگل ہے۔ کیا بے وقوفی کر بیٹھا۔ وہ بہترین سائیکلسٹ ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو سائیکل چلانے کی بہت اچھی صلاحیت دی ہے۔ پتا نہیں اس کے دماغ میں کیا سُو دی کہ سائیکل چھوڑ کر کبڈی کے میدان میں آ گیا اور پھر بار بار کھلا جھپا ڈالنے کی کوشش کرتا تھا۔ ایک ہوتا ہے داؤ لگا کر اچانک ہلہ بول کر کوئی انسان کسی کی ٹانگ پکڑ لے یا قینچی مار دے یا کلائی پر ہاتھ ڈال دے، ایسا کرنے سے بالعموم شکار ہاتھ آ جاتا ہے مگر ایک ہوتا ہے۔ سامنے چیلنج کر کے آمنے سامنے کسی کو کہا جائے آؤ اب نکل کے دکھاؤ جسے پنجابی میں کھلا جھا کہتے ہیں اب اس بیچارے کو آتا نہیں تھا اور جپھے ایسے ڈالتا تھا تو میں نے کہا کہ اس پاگل کو کیوں اٹھا کر لائے ہو اور اس کو سوجھی کیا؟ میں نے بعد میں بھی اس سے ناراضگی کا اظہار کیا کہ تم اچھے بھلے سائیکل پر تھے، زمین پر کیوں اتر آئے؟ سائیکل چلاؤ اور نام پیدا کرو۔ ساری دنیا میں اپنے اور اپنے عزیزوں کے لئے جو یہ شرمندگی دکھا رہے ہو تو کس لئے؟ اور یہ نہیں پتا تھا کہ جب میں نے اس کو پاگل کہا تو وہ اپنے پیار کے رنگ میں تھا جس طرح کسی عزیز کو آدمی کہہ دیتا ہے کہ اس پاگل کو کیوں پکڑ لائے لیکن ساری دنیا میں اب وہ کہیں پاگل ہی نہ مشہور ہو جائے حالانکہ وہ پاگل واگل بالکل نہیں ہے۔ اللہ کے فضل سے اچھا بھلا ہونہار بچہ ہے۔ جسم بھی خوبصورت اور قد آور اور بہادر ہے تب ہی وہ کھلے ہاتھ ڈالتا تھا مگر آگے سے بڑے بڑے طاقتور اچھے آنے والے تھے جس طرح افضل تھے۔ اس کا ان کے ساتھ کوئی جوڑ ہی نہیں تھا۔ بار بار ان پر حملہ کر کے خواہ مخواہ پوائنٹ بھی گنواتا تھا مگر چونکہ میرے علم میں یہ نہیں تھا کہ ساری دنیا میں لوگ یہ سنیں گے اور اس بیچارے کی بدنامی ہوگی۔ اس لئے خیال یہ تھا کہ جب الگ ملوں گا تو اس کو سمجھا دوں گا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا لیکن جب پتا لگا کہ یہ بات تو ساری دنیا میں پھیل گئی ہے تو میں بہت ہی شرمندہ ہوا۔ میں نے کہا کہ اس بیچارے نے کیا شرمندہ ہونا ہے جتنا میں شرمندہ ہو گیا ہوں اور فرض سمجھا کہ اس سے میں معافی مانگوں۔

ایک بات اور مجھے بتائی گئی ہے لیکن وہ ایسی بات نہیں ہے جسے میں مخفی رکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایک اصولی چیز ہے جس کو جماعت کے علم میں آنا چاہئے۔ صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی بہت ہی مخلص فدائی اور بہت اچھے منتظم ہیں اور ان کے دور میں خدا کے فضل سے مجلس خدام الاحمدیہ بڑی

تیزی سے ترقی کر رہی ہے، منکسر المزاج ہیں، دعا گو ہیں لیکن ایک واضح ہدایت پر عمل نہ کرنے کے نتیجہ میں وہیں میں نے امیر صاحب جرمنی سے ان کے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا اور وہ بھی مشتہر ہو گیا وہ مضمون چونکہ ایسا ہے جس کا جماعت کو علم ہونا چاہئے اس لئے میں وہ ذکر چھیڑتا ہوں۔

کبڈی کے میچ میں عموماً رواج ہے کہ لنگوٹ کستے ہیں اور وہ بھی ایسے جو عملاً ننگا ہونے کے مترادف ہے لیکن ایسے پروگرام کو جب عالمی طور پر ٹیلی وائز کیا جائے تو جماعت کا وقار داؤ پر لگ جاتا ہے۔ جماعت کی روایات داؤ پر لگ جاتی ہیں۔ کہیں ایک گاؤں میں، کسی کھیت میں، کسی جگہ ایسا واقعہ ہو جائے تو وہ بھی ٹھیک نہیں لیکن عالمی سطح پر ایسے پروگرام دکھائے جا رہے ہوں اور لباس بیہودہ ہو تو یہ جماعت کے وقار کے خلاف ہے اور جماعت کسی قیمت پر اجازت نہیں دے سکتی۔ چنانچہ جانے سے دس پندرہ دن پہلے تفصیل سے ان کو یہ لکھا گیا اور فون پر بھی غالباً پیغام دیا گیا کہ اس میچ کو تمام عالم میں دکھانے کے لئے شرط یہ ہے کہ لباس گھٹنے کے نیچے تک ڈھکا ہوا ہو گا اور پیٹ پر پوری طرح کسا ہو گا تاکہ اس سے انسان ننگا یا بیہودہ دکھائی نہ دے۔ مجھے اطمینان دلوا دیا گیا کہ ہاں ایسا ہی ہو گا۔ جب میں وہاں پہنچا ہوں تو اس وقت تک کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ پھر امیر صاحب جرمنی کو اور ان کو اکٹھا بٹھا کر میں نے تفصیل سے سمجھایا کہ آپ کو دنیا سے شرمانے کی کیا ضرورت ہے کہ دنیا کہے گی یہ کیسا لباس پہن آئے ہیں؟ جس سے شرمانا ہے اس سے شرمائیں یعنی خدا سے شرمائیں اور اپنی پاک روایات کا آئینہ بنائیں اور اس سے شرمائیں۔ اگر اس میں غلط داغ پڑتا ہے تو وہ شرمانے کی بات ہے اس لئے آپ بالکل پروا نہ کریں اور دنیا جو مرضی کہے میں ذمہ دار ہوں، آپ ایسا لباس بنائیں اور ان کو یہ بھی بتایا کہ زین کا مضبوط ہو اور کمر پر پیٹی ہو اور گھٹنے کے نیچے مضبوط دوہری تہری پٹی ہو اور رنگ اس کا بدل جائے۔ خوبصورت بھی بہت دکھائی دے گا جس طرح برجس ہوتی ہے اور کسی کا ہاتھ پڑ جائے تو مضبوط سے مضبوط آدمی بھی اس کو توڑ نہیں سکتا اور ایک آدمی کھیل کے دوران اس وہم میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ کہیں اس کا لباس نہ اُتر جائے۔ اس طرح واضح بات ہونے کے بعد جس کے سپرد کیا گیا غالباً اس سے غلطی ہوئی ہو گی لیکن بہر حال جو بھی ہوا جب میں نے دیکھا تو وہ کپڑے کی چکنی چکنی چیزیں تھیں اور پتلے نالے یا دھاگے سے وہ باندھے گئے تھے اور خطرہ تھا کہ اگر کسی کا ہاتھ پڑے تو فائدہ کی بجائے اور زیادہ بے حیائی ہو گی۔ چنانچہ جو میچ سب سے زیادہ پاپولر ہوا ہے جس میں میجر محمود صاحب

بھی کھیلے تھے اس میں غلطی سے امیر صاحب کا ہاتھ ان کے ازار بند پر پڑ گیا یعنی اس حصے پر جہاں وہ باندھا گیا تھا تو انہوں نے فوراً وہ پوائنٹ چھوڑ دیا کہ یہی عقل کی بات تھی کیونکہ اگر اس وقت زور لگاتے تو جگ ہنسائی ہونی تھی۔ بہر حال ایک اور موقع پر بھی میں نے دیکھا کہ بیچارے کھلاڑی کا لباس تقریباً اُتر گیا تھا اور اس نے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو سنبھالا۔ تو یہ بات تھی جس پر میں وہاں ان سے ناراض ہوا کہ جب آپ کو سمجھا دیا گیا تھا تو پھر کیوں نہیں ایسا کیا؟ مجھے بتا دیتے کہ نہیں ہوسکتا۔ ہم میچ کینسل کر دیتے۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ دنیا کو کبڈی بھی دکھائی جائے لیکن جب دکھائی جائے تو اسلامی روایات اور سلیقے کے مطابق دکھانی چاہئے۔ یہ تکرار میں ناراضگی کے اظہار کے طور پر نہیں بلکہ جماعت کی تربیت کے لئے اس لئے کر رہا ہوں کہ ہمیں اپنی کھیلوں میں اپنی اعلیٰ روایات کو کبھی قربان نہیں کرنا چاہئے۔

ثقافت کے نام پر بعض لوگ نہایت بیہودہ حرکتیں کر جاتے ہیں کہ جی یہ ثقافت ہے ثقافت نہیں جہالت ہے۔ ثقافت وہاں تک ہے جہاں تک اسلام کی مخالف نہیں ہے اس کے بعد وہ ثقافت نہیں بلکہ جہالت بن جاتی ہے تو کھیلوں میں بھی وہاں تک کھیلیں ہیں جہاں تک اسلام کی واضح اخلاقی تعلیم کے مخالف نہ ہوں۔ جہاں اس حد سے باہر قدم رکھا وہاں وہ کھیل نہیں رہتی بلکہ وہ ایک جہالت یا بغاوت ہو جاتی ہے۔ تو میں ایک دفعہ پھر آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہاں بات ختم ہوگئی۔ ان کو میں نے معاف کر دیا انہوں نے شرمندگی کا اظہار کیا اور بات ختم ہوگئی کیونکہ وہ مخلص فدائی آدمی ہیں۔ ایسے نہیں کہ ان سے کوئی لمبی ناراضگی رکھی جائے لیکن چونکہ یہ بات بھی مشتہر ہوگئی تھی اس لئے لوگ ان کے متعلق کہیں غلط تأثر نہ لے لیں۔ ان کا مزاج ہرگز ایسا نہیں ہے کہ بات سنیں اور اَن سنی کر دیں۔ بس کوئی ہنگامہ زیادہ تھا۔ بے شمار کام تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کسی کے سپرد کام کر بیٹھے ہیں اور نگرانی نہیں ہوسکی تو یہ تو تھے معافی کے قصے۔

اب دعا یہ ہے کہ اللہ ہمیں معاف فرمائے اور ہماری روزمرہ کی کمزوریوں سے صرف نظر فرمائے اور ہمیں خود بخشنے کی عادت ڈالے اور اپنے رنجیدہ بھائی سے معافی مانگنے کی عادت ڈالے۔ ہماری جماعت میں اگر یہ دو باتیں قائم ہوجائیں تو اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:۱۱) کا مضمون صادق آجائے گا۔ یقیناً ہم بہت عظیم اخوت کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں اگر یہ

دو صفات ہم میں رائج ہو جائیں۔ اگر انسان معافی مانگنے سے حیاء محسوس کرے تو حقیقت میں ایک تکبر ہے اور جو متکبر ہو اس کا معافی مانگنا بھی بے معنی ہو جایا کرتا ہے۔ جب وہ خدا سے معافی مانگتا ہے اور بندے سے نہیں مانگتا تو خدا سے معافی مانگنا بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ متکبر کی دعا خدا قبول نہیں کیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے بندوں پر رحم نہیں فرماتا میں اس پر رحم نہیں کرتا۔ اس لئے معافی دینا بھی سیکھیں اور معافی دینا اگر سیکھنا ہے تو معافی مانگنا اس کا ایک لازمی جزو ہے کیونکہ معافی مانگے بغیر تکبر نہیں ٹوٹتے۔ جب معافی مانگنے کا سلیقہ سیکھیں گے تو پھر معافی دینا ایک بہت ہی اہم خلق بن جائے گا اور خدا کا جو بندہ معافی مانگنا بھی جانتا ہو اور معافی دینا بھی جانتا ہو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مغفرت کا وہ سلوک فرمائے گا جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ کہ اللہ ہر قسم کے گناہ بخش دیتا ہے۔ ہر گناہ کو بخش دیتا ہے اور وہ بہت ہی بخشش کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس ضمن میں میں نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعض نصیحتیں چنی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ یہ حدیث مسلم، کتاب التوبہ باب فی سعۃ رحمۃ اللہ سے لی گئی ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر مومن کو اللہ تعالیٰ کی سزا اور گرفت کا اندازہ ہو کہ کتنی سخت اور شدید ہے تو وہ جنت کی امید ہی نہ رکھے اور یہی سمجھے کہ اس گرفت اور سزا سے بچنا محال ہے اور اگر کافر کو (یہاں مومن کو بدل کر کافر فرمایا گیا) اللہ تعالیٰ کے خزائن رحمت کا اندازہ ہو تو وہ اس کی جنت سے ناامید ہی نہ ہو اور یقین کرے کہ اتنی بڑی رحمت سے بھلا کون بدقسمت محروم رہ سکتا ہے۔

یہاں مومن کی بجائے کافر کو بدل کر بہت ہی حکیمانہ بات فرمائی گئی ہے۔ مومن بخشش کی امید رکھتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بعض دفعہ بے راہ رو ہو جاتا ہے اس کو بتایا گیا ہے کہ تم پکڑ پر نظر رکھو۔ اگر تم صرف بخشش پر ہی نظر رکھو گے تو ہو سکتا ہے کہ تم سے ایسی گستاخیاں اور بداعمالیاں سرزد ہوں کہ تم بخشش کی حد سے ہی باہر نکل جاؤ۔ کتنا حکیمانہ کلام ہے۔ انسان کی روح حضور اکرم ﷺ کی نصیحتوں کو پڑھ کر عش عش کر اٹھتی ہے۔ ایک ایک لفظ میں اور چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں حکمت کے خزانے بند کئے ہوئے ہوتے ہیں تو مومن کو فرمایا کہ تم خدا تعالیٰ کی پکڑ کی طرف بھی خیال رکھنا اور یاد رکھنا کہ اگر تمہیں پکڑ کی معرفت ہو جائے تو گناہ کی تمنا تمہارے دل سے نکل جائے گی اور کافر دنیا میں

عیش و عشرت کرتا پھرتا ہے اور وہ بسا اوقات یہ سمجھتا ہے کہ میں اتنے گناہ کر بیٹھا ہوں کہ اب میری بخشش کہاں سے ہونی ہے اور پھر گناہوں کی کثرت اسے اور دلیر کر دیتی ہے۔ کافر ہونے اور مومن ہونے کے درمیان میں بہت سے درجے ہیں کئی مومنوں کو ہم نے کفر کی حالت کی طرف اس طرح منتقل ہوتے ہوئے دیکھا ہے کہ ایک گناہ کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا پھر یہ خیال آجاتا ہے کہ گناہ گار تو ہم ہو ہی چکے ہیں۔ اب ایسی حرکتیں روزمرہ کیوں نہ کریں اور پھر حیا اٹھ جاتی ہے تو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافر کو مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ کی رحمت پر نظر رکھنی چاہئے۔ یہاں اس کے لئے پھر یہی آیت پیغام دیتی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کہ وہ ہر قسم کے گناہوں کو بخش سکتا ہے۔ تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے اگر وہ چاہے اس لئے توبہ سے مایوس نہ ہو۔ یہ مراد ہے کیونکہ اس کی بخشش کا تعلق توبہ سے ہے۔ یہ مضمون اس کے اندر داخل ہے کہ توبہ سے اس لئے باز نہ رہے کہ اتنے گناہ بڑھ گئے ہیں کہ شاید خدا تعالیٰ معاف کرے ہی نا ایک اور حدیث میں جو ریاض الصالحین باب الرجاء سے لی گئی ہے۔ عموماً صحاح ستہ کی احادیث ہی ہیں۔ جو ریاض الصالحین میں داخل کی گئی ہیں۔ حدیث کا اصل حوالہ یہاں نہیں دیا گیا۔ بہر حال حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن مومن اپنے رب کے بہت قریب لے جایا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کے سایہ رحمت میں آجائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا اور کہے گا کہ کیا تو فلاں فلاں گناہ جانتا ہے جو تو نے کئے اس پر بندہ کہے گا ہاں میرے رب! میں جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دنیا میں میں نے اس گناہ کے متعلق تیری پردہ پوشی کی اور اب قیامت کے دن تمہارا وہ گناہ بخشتا ہوں۔ الغرض اس کو صرف اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ (ریاض الصالحین باب الرجاء حدیث نمبر: ۴۳۲)

یہاں حدیث کے الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کان میں سرگوشی کرے گا ورنہ بظاہر تو یہ تصور ایسا ہے جو صرف انسان پر ہی صادق آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا کان میں سرگوشی کرنا ایک بہت ہی پیار کی تمثیل ہے اور ایک حدیث کے الفاظ مجھے یاد ہیں کہ دوسروں سے اوجھل کر کے جیسے ماں کسی بچے کو پردے میں لے لے۔ اپنی چادر کی لپیٹ میں لے کر پیار سے بات کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اس دنیا میں میں نے تیری پردہ پوشی کی تھی نا مگر تجھے

پتا ہے کہ کیا کیا گناہ تھے۔ وہ کہے گا ہاں میرے رب! مجھے سب پتا ہے تو خدا کہے گا کہ دنیا میں کی تھی تو پھر اب بھی کرتا ہوں۔ اس مضمون کا بھی بخشش کے فلسفے کو سمجھنے سے بہت گہرا تعلق ہے بالعموم وہ لوگ جو اپنے بھائی کو بے پردہ کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور ستاری کا پردہ اپنے عزیزوں یا دوستوں یا دشمنوں سے اٹھا دیتے ہیں ان لوگوں کے لئے اس میں ایک تنبیہ ہے کیونکہ میرا اس معاملہ میں بہت وسیع تجربہ ہے کہ وہ لوگ جن کو ستاری کی عادت ہو اور کوشش کرتے ہوں (غلطیاں تو انسان سے ہوتی ہی ہیں) بدنیتی سے کسی کا پردہ چاک نہ کیا جائے تو اللہ بھی ان کی ستاری فرماتا ہے۔ بے تکلفی اور پیار کی باتوں میں بعض دفعہ انسان کسی غلطی کا ذکر بھی کر دیتا ہے مگر وہ اور بات ہے۔ واقعۃً کسی کی بدی سے پردہ اٹھانا اور اسے دنیا میں ذلیل ورسوا کرنے کی نیت سے ایسا کرنا، یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے اپنی ستاری کا پردہ اٹھا لیتا ہے اور جس سے دنیا میں پردہ اٹھ جائے تو پھر آخرت میں بھی وہ پردہ اٹھ جاتا ہے۔ پس اگر آخرت میں اپنے گناہوں پر ستاری کا پردہ ڈالنے کی تمنا رکھتے ہو تو اس دنیا میں اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی کمزوریوں پر اپنی ستاری کا پردہ ڈالا کرو اس سے اللہ تعالیٰ کے حضور ستاری کی زیادہ توقع رکھی جا سکتی ہے۔

یہ حدیث بخاری کتاب التوحید سے لی گئی ہے اور مسلم کتاب التوبہ میں بھی یہ حدیث شامل ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے رب کی طرف سے ہمیں یہ بات بتائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ایسی احادیث جن میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ واضح طور پر فرمائیں کہ میرے خدا نے مجھے یہ فرمایا ہے یا خدا ایسا فرماتا ہے اسے حدیث قدسی کہتے ہیں یعنی قرآن کریم کی آیات کے علاوہ بھی خدا تعالیٰ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے بکثرت ہم کلام ہوا ہے۔ رؤیا کی صورت میں بھی اور ظاہری صورت میں، کشفی صورت میں بھی اور بہت سی جگہ آپ کی طرز بیان سے پتا لگ جاتا ہے کہ خدا کے سمجھانے کے بعد آپ نے ایسی بات کہی ہے لیکن ہر جگہ ذکر نہیں ملتا۔ اس لئے بعض احادیث قدسی میرے نزدیک احادیث قدسی تقریری ہیں یعنی ان کا مضمون ثابت کرتا ہے کہ یہ حدیث قدسی ہے لیکن بعض احادیث قدسی ایسی ہوتی ہیں جن میں راوی بیان کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے واضح طور پر خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کہا ہے پس یہ ان احادیث

میں سے ہے۔ فرمایا، اپنے رب کی طرف سے ہمیں یہ بات بتائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ گناہ کرتا ہے اور پھر دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ! میرے گناہ بخش دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے ناسمجھی سے گناہ تو کیا لیکن اسے علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور چاہے تو پکڑ بھی لے۔ پھر میرا بندہ توبہ توڑ دیتا ہے اور گناہ کرنے لگ جاتا ہے اور پھر نادم ہو کر کہتا ہے: اے میرے رب: میرے گناہ بخش دے یا میرا گناہ بخش دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے گناہ کیا لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے وہ گناہوں کو معاف بھی فرماتا ہے اور گرفت بھی کرتا ہے۔ پھر بندہ توبہ توڑ دیتا ہے اور گناہ کرتا ہے لیکن نادم ہو کر دعا مانگتا ہے کہ اے میرے رب! میرے گناہ بخش۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جو جانتا ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور کبھی گرفت بھی کرتا ہے (یعنی میرا بندہ کمزور ہے اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکتا غلطی کر بیٹھتا ہے لیکن) اگر وہ نادم ہو کر توبہ کرے تو میں اسے بخش دوں یہ اس کے معنی ہیں) اور آئندہ گناہوں سے اسے بچاؤں گا۔ وہ اپنی منشاء کے مطابق ہی کام کرے گا۔ (بخاری کتاب التوحید حدیث نمبر: ۴۹۵۳)

یہ آخری بات ہے یہ دراصل وہ نقطہ مرکزی ہے جس کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ بعض لوگ گناہ کرتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رحمت کا سلوک فرماتا ہے لیکن پھر ایسی حالت ہو جاتی ہے اور پھر ایسی حالت ہو جاتی ہے اور بعضوں کے لئے یہ عادت مستمرہ بن جاتی ہے مگر مغفرت کی سچی پہچان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پھر مناسب توبہ کی توفیق بخش دیتا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ کے پیار کے کلمات جس گنہگار کے متعلق بیان فرمائے ہیں اس کا انجام بتایا ہے کہ اس کے دل میں نیکی کا غلبہ تھا اور کمزوری سے مجبور ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ بعض ماہرین نفسیات بتاتے ہیں کہ بعض گناہوں کے لئے انسان اس طرح بے اختیار ہو جاتا ہے جس طرح اس کی سرشت میں یہ بات داخل ہوئی ہو اور یہ بھی ایک نفسیاتی بیماری ہے چنانچہ مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مصلح موعودؓ نے اس مضمون پر کسی خطبہ میں یا کسی اور تقریر میں گفتگو فرمائی اور یہ کہا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس مضمون کا گہرا علم بخشا ہے اور مَیں بتا سکتا ہوں کہ کیا کیا حالات ہیں جن میں ایک گناہ گار عمداً گناہ نہیں کر رہا ہوتا بلکہ بعض بے اختیاریوں سے مجبور ہوتا ہے لیکن آئندہ جب خدا تعالیٰ مجھے توفیق دے گا تو میں اس مضمون پر روشنی ڈالوں گا لیکن وہ پھر خدا تعالیٰ کی طرف مقدر نہیں تھا کہ آپ کو یہ موقع ملے مگر

آنحضرت ﷺ نے نتیجہ نکال دیا ہے اور ہمارے ہاتھوں میں کنجی تھما دی ہے کہ کیسے پہچانیں کہ ہم بیمار ہیں یا گناہ گار ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیماریوں سے شفاء بخش سکتا ہے اور اگر ایک گناہ گار بے حیائی کی وجہ سے تکرار کرتا ہے تو اس کے متعلق یہ خوشخبری نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ پھر اسے اس بیماری سے شفاء بخش دے گا لیکن وہ گنہگار جو حقیقتاً تائب ہوتا ہے اور نادم ہوتا ہے اور بار بار خدا کے حضور چلا تا ہے اور شرمندگی کا اظہار کرتا ہے اس کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو خبر دی کہ میں اسے بخش دوں گا اور آئندہ گناہوں سے اسے بچاؤں گا۔ وہ میری منشاء کے مطابق ہی کام کرے گا۔ پس ہمیں دعا یہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے تائب ہونے کی توفیق بخشے اور ہماری توبہ کو اس طرح قبول فرمائے کہ ہمیں آئندہ گناہوں سے بچالے اور خدا کی رضا کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا ہو۔